امریکہ کے ایک منفرد قلم کار رابرٹ آرتھر کے رقم کردہ

ایک سمندر کے ایک دل پذیر عبرت نظیر کہانی

ایک شخص کی داستان، اس کے ہاتھ میں نوجوان بکٹ بے لگامونہ کے ٹیکے تھے

Https://www.facebook.com/groups/372605677178945/
telegram link https://t.me/+I_Fxda8LnVViOGU0

وہ کل نو نفر تھے۔ اُن میں سے ہر شخص میرے ریوالور کی زد پر تھا۔ اپنے بحری جہاز مونٹالا کی تباہی کے بعد اب ہم سب ایک کشتی میں سوار تھے۔ میں ڈنبلے یعنی کشتی کے پچھلے حصے پر سب سے علیحدہ بیٹھا ہوا تھا۔ کشتی چھوٹی سی تھی۔ اگر میں کسی پر گولی چلا دیتا تو نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ یہ بات وہ بھی جانتے تھے اس لیے کسی نے مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ وہ چپ چاپ نہایت نفرت سے مجھے گھورتے رہے۔ اُن کی حالت خوں آشام بھیڑیوں جیسی ہو گئی تھی اور وہ شکاری کی طرف سے صرف ایک لمحے کی غفلت کے منتظر تھے۔ میری مستعدی میں ایک بھی غافل لمحہ آجاتا تو وہ مجھ پر بُری طرح ٹوٹ پڑتے۔ اُن میں سب سے زیادہ خطرناک شخص بیرٹ تھا۔ بیرٹ تباہ شدہ جہاز پر مزدوروں کا سپروائزر تھا۔ مضبوط جسم، قد آور اور بے رحم۔ مزدوروں میں امن و امان رکھنے کے لیے وہ ایک موزوں آدمی لیکن دشمن بنانے کے لیے انتہائی غیر موزوں شخص تھا۔ میں بدقسمت جہاز کا تیسرا افسر تھا اور وہ سب اس وقت میرے مشترک دشمن تھے۔ "سینڈز!" بیرٹ نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم آخر کب تک ہمیں روک سکتے ہو؟ نیند سے تمہاری آنکھیں بند ہوتی جا رہی ہیں۔ اس طرح تم کب تک جاگ سکو گے؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بیرٹ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ آدمی واقعی مسلسل کتنے گھنٹے جاگ سکتا ہے؟ میں نے گزشتہ بہتر گھنٹوں میں ایک بار بھی آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ میری پلکیں ذرا بھی جھپکیں تو وہ سب پانی کے ٹن پر ٹوٹ پڑیں گے۔ ٹن میں اب مشکل سے آدھی بوتل کے قریب پانی بچا ہوگا۔ ٹن میری ٹانگوں کے درمیان رکھا تھا۔ جہاز کی تباہی کو پورے بیس دن ہو گئے تھے۔ میں نے اس دوران پانی کے استعمال میں بے حد احتیاط برتی تھی۔ اس کے باوجود صرف آدھی بوتل پانی بچا تھا۔ اسے دس آدمیوں میں تقسیم کیا جاتا تو ایک آدمی کے حصے میں ایک گھونٹ پانی بھی نہ آتا۔ گویا تقریباً آدھے گھونٹ پانی کے لیے ہر شخص مجھے قتل کر کے مسرت محسوس کرتا۔ اب میں نہ اُن کا افسر تھا نہ اُن کے نزدیک ایک انسان۔ میری حیثیت ایک ریوالور کی تھی جو اُن کے اور پانی کے درمیان دیوار کی صورت حائل تھا۔ اس صورت حال میں اُن کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ پیاس کی شدت نے انھیں پاگل کر دیا تھا۔ اُن کی زبانیں کانٹا ہو گئی تھیں اور گال پچک کر رہ گئے تھے۔

میں نے قطب نما کی طرف دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔ قطب نما سے اندازہ ہوا کہ ہم ایسکین سیئون کے مشرق میں دو میل دور سفر کر رہے ہیں۔ طوفان گزرنے کے بعد سمندر پرسکون ہو گیا تھا۔ صبح سورج آب و تاب سے نمودار ہوتا اور دوپہر تک اس کی شعاعیں نیزوں کے مانند کھال چھیدنے لگتیں۔ خود میری زبان خشک ہو کر اتنی موٹی ہو گئی تھی جیسے حلق میں پھنس گئی ہو۔ میں ایک گھونٹ ٹھنڈے پانی کے عوض کسی کو بھی اپنی باقی زندگی دے سکتا تھا۔

پانی کا آخری ٹن میری تحویل میں تھا مگر میں ایک قطرہ بھی اپنی زبان پر نہیں ٹپکا سکا کیوں کہ نو انسانوں کو زیادہ سے زیادہ عرصے زندہ رکھنے کی ذمے داری میرے شانوں پر تھی اور مجھے معلوم تھا کہ پانی کا آخری قطرہ ختم ہوتے ہی زندگی بھی اپنی کشش کھو بیٹھے گی، سب لوگ موت کا انتظار کرنے لگیں گے۔ اُن کا حال مُردوں سے بدتر تھا۔ صرف پانی کی اُمید انھیں زندہ رکھے ہوئے تھی۔ اگر میں اُن کی دھمکیوں اور شعلہ بار آنکھوں سے مرعوب ہو جاتا یا اُن کے گڑگڑانے سے متاثر ہو جاتا تو یہ تھوڑا سا پانی بھی کئی روز قبل ختم ہو چکا ہوتا اور ہم میں سے بیشتر لوگ مر چکے ہوتے۔

اُنھوں نے بہت پہلے چپو چلانے بند کر دیے تھے۔ کسی کے بازوؤں میں اتنی قوت ہی نہیں تھی۔ کشتی ہوا اور سمندر کی پرسکون مگر طاقت ور موجوں کے سہارے سفر کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ سفر کبھی ختم نہیں ہوگا۔ پورے بیس دن گزر چکے تھے۔ ایک بار بھی خشکی کی صورت نظر نہیں آئی تھی۔ طوفان سے بچنے والے نو انسان پیاسے درندوں کی طرح مجھ پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ اُن کے چہرے شدید تمازت اور بے تحاشا بڑھے ہوئے شیو کی وجہ سے کالے پڑ گئے تھے۔ ہر شخص کا لباس تار تار تھا۔ وہ انسان کم، جانور زیادہ نظر آتے تھے اور غالباً میری حالت بھی

Https://www.facebook.com/groups/372605677178945/

ترجمہ ۔ ڈاکٹر مقبول حنیف

توشہ خانے ، تیسرا رنگ

اُن سے مختلف نہیں تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ میرے ہاتھ میں ریوالور تھا اور ریوالور کے سامنے وہ بے بس تھے۔ اُن میں سے چند پر غنودگی طاری تھی، باقی لوگ بیرٹ کے ساتھ مسلسل مجھے گھور رہے تھے۔ انھیں میرے ایک غافل لمحے کا انتظار تھا۔ بیرٹ مجھ سے بہت قریب اور سب سے آگے تھا، اس کے ہاتھوں میں اب بھی کم سے کم میرا گلا گھونٹنے کی قوت ضرور تھی۔ وہ ایک بی دار اور لڑنے بھڑنے والا آدمی تھا۔ اس کے چہرے اور جسم پر زخموں کے متعدد نشانات موجود تھے۔ ایک خوبی اس میں اور تھی، وہ اس ناگفتہ بہ حالت میں بھی سونے پر قادر تھا۔ گزشتہ رات وہ تقریباً ساری رات سوتا رہا اسی لیے اتنی تازگی اور توانائی سے آنکھیں جھپکائے بغیر مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے اس کی زبان بھی مجھے کچوکے لگا رہی تھی: "آخر کب تک سینڈر! تم کب تک ہمیں روک سکتے ہو؟"

"بس آج رات تک۔" میں نے جواب دیا۔ "میں آج رات بچا ہوا سارا پانی تم لوگوں میں تقسیم کر دوں گا۔"

"لیکن سینڈر! رات ہونے تک تو ہم میں سے کئی مر جائیں گے۔ اب ہم سے رات کا انتظار نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ابھی اسی وقت پانی چاہیے۔"

"آج رات سے پہلے نہیں۔" میں نے مضبوطی سے کہا۔ پیاس کی شدت نے اُن کے ذہن مفلوج کر دیے تھے ورنہ یہ انھیں بھی معلوم تھا کہ تپتی دھوپ میں پانی کے چند قطرے جسم سے فوراً پسینہ بن کر اُڑ جائیں گے، یہی چند قطرے رات کی خنکی میں پیے جائیں تو زیادہ فرحت بخشیں گے۔ آسمان سے آگ برس رہی تھی، اس صورت میں گھونٹ بھر پانی پیاس بڑھا تو سکتا تھا، کم نہیں کر سکتا تھا۔

اچانک بیرٹ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسی حملہ کرنے سے پہلے کسی درندے کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ میں نے اپنا سُن وزنی ہاتھ پوری طاقت لگا کے اوپر اٹھایا اور نال بیرٹ کے سینے کی طرف کر دی۔ چند لمحے وہ نظروں نظروں میں میرا ارادہ تولتا رہا پھر دانت کچکچا کے بیٹھ گیا۔ میں روز قبل جہاز تباہ ہوا تو ہم سب جان بچانے والی کشتی کی طرف دوڑے۔ میں نے کچھ خیال آنے پر بڑی جلدی میں ریوالور جیب میں ڈال لیا تھا۔ مجھے دراصل بعض بدنصیب جہازوں کے ساتھ کھلے سمندر میں

پیش آنے والے چند واقعات یاد آ گئے تھے۔ چند انتہائی دہشت ناک واقعات۔ ریوالور رکھ لینے کی احتیاط اب کام آ رہی تھی۔ اگر میں نہتا ہوتا تو پانی کا پورا راشن دس روز پہلے ختم ہو جاتا۔ بیرٹ اور اس کے ساتھیوں کو روکنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ وہ سب بے وقوف تھے۔ پیاس نے انھیں اندھا کر دیا تھا ورنہ کیا انھیں نظر نہیں آ رہا تھا کہ پیاس نے ان کے ساتھ ساتھ میری حالت بھی غیر کر دی ہے مگر مجھے اپنے آپ پر بہرحال قابو رکھنا تھا۔ مجھ پر ایک دو نہیں بلکہ پورے نو انسانوں کی ذمے داری تھی۔ ہمارے درمیان یہی ایک فرق تھا۔ وہ صرف اپنی ذات کے لیے سوچ رہے تھے، مجھے سب کے لیے سوچنا پڑتا تھا۔ مجھے ان پر ایک فوقیت حاصل تھی۔ ریوالور کے بل بوتے پر وہ میری تحویل میں تھے اور میں ان کے لیے ایک حاکم، ایک قانون تھا۔ قانون سب کے لیے سوچتا ہے، فردِ واحد کی بھلائی قانون کا مقصد نہیں ہوتی۔ بیرٹ کی نظریں بدستور مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے اس سے حسد محسوس ہو رہا تھا کیونکہ اس نے ساری رات سو کر گزاری تھی اور میں بہتر گھنٹوں سے برابر جاگ رہا تھا۔ نیند گویا بادل کی طرح میری آنکھوں میں گھسی جا رہی تھی۔

سورج سر پر پہنچنے سے پہلے ہی مجھے اپنا خاتمہ نظر آنے لگا۔ میرے جسم پر جیسے فالج گر گیا تھا۔ اعضا بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ مجھے پلکیں اٹھانے میں بھی قوت لگانی پڑ رہی تھی۔ نیند کے غلبے نے میرا پورا وجود مفلوج کر دیا۔ مجھے احساس ہو گیا کہ بس پانچ دس منٹ کی بات اور ہے پھر دنیا کی کوئی طاقت مجھے بیدار نہیں رکھ سکے گی۔ میرے دماغ پر نیند کے گہرے کالے بادل چھاتے جا رہے تھے اور میں آہستہ آہستہ ایک نرم اندھیرے میں دھنس رہا تھا۔ اسی عالم میں نجانے کیا ہوا، میں نے بیرٹ کو دیکھا نہیں صرف اس کی قربت محسوس کی اور ریوالور اوپر اٹھانے کی آخری کوشش کرتے ہوئے انتہائی دقت سے پلکیں کھولیں۔ وہ میرے اوپر کھڑا تھا اور شاید میں دنبالے پر لیٹا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں ایک خیال نے سر ابھارا، تو یہ ہے ہم سب کا انجام؟ اب بیرٹ پانی کا ٹن اٹھا کر ایک بہت بڑا گھونٹ لے گا اور اسی وقت سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ پانی حاصل کرنے کے لیے خوں ریز جدوجہد شروع ہو جائے گی۔ شاید اس افراتفری میں کوئی شخص توازن برقرار نہ رکھ سکے اور کشتی سے لڑھک کر اپنی جان گنوا دے۔ لیکن اب میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دل کو تسکین سی تھی کہ میں نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر کے اپنی ذمے داری پوری کی ہے۔ یہ خیالات بجلی کی طرح کوند کر نیند کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ "بیرٹ!" میں نے سرگوشی کرتے ہوئے ریوالور اس کی طرف اٹھانے کی کوشش کی۔ "یہ لو بیرٹ! یہ ریوالور لے لو، اب کشتی کے نگہبان تم ہو۔" نہ معلوم میں اپنا فقرہ مکمل کر سکا یا نہیں۔ میرا سر کشتی کی سطح سے ٹکرا گیا، مجھے چوٹ کا احساس تک نہیں ہوا۔ گہری نیند مجھ پر غالب آ گئی۔

❁ مجھے کسی نے بری طرح جھنجوڑا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن کمزوری نے اٹھنے نہیں دیا۔ بیرٹ کی پھٹی پھٹی آواز کانوں میں آئی۔ "اٹھو سینڈر! یہ لو، اپنے حصے کا پانی پی لو۔ سینڈر! سینڈر! اٹھو۔"

میری پلکوں میں حرکت ہوئی، وہ خاموش ہو گیا۔ پانی کا نام سن کر نجانے کہاں سے مجھ میں توانائی کی ایک لہر دوڑ گئی اور میں کسی نہ کسی طرح اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نقاہت کے باعث میرا سر چکرا رہا تھا اور آنکھیں اندھیر ہو رہی تھیں۔ میں نے دیدے پھاڑ کے اپنے سامنے دیکھا۔ بیرٹ میرے قریب پانی کا ٹن لیے بیٹھا تھا۔ باقی تمام لوگ مجھے دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے۔ پھر ایک دم مجھے احساس ہوا کہ میری بصارت کا قصور نہیں ہے بلکہ رات ہو چکی ہے اور ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ گویا میں دوپہر سے اب تک سوتا رہا تھا۔ اکیسویں شب شروع ہو گئی تھی۔ میں نے بیرٹ کی طرف دیکھا۔ اس نے پانی میری طرف بڑھایا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ اپنے ساتھیوں پر ریوالور تانے ہوئے تھا۔ میں نے پانی کا ٹن بے یقینی سے دیکھا جیسے وہ کوئی سراب ہو۔ اب بھلا اس میں پانی کہاں؟ یہ لوگ سارا پانی دوپہر ہی کو پی گئے ہوں گے۔ شاید بیرٹ مجھ سے مذاق کر رہا ہے، مجھ سے انتقام لے رہا ہے۔ پانی کا مژدہ سنا کر خالی ٹن میرے منہ سے لگانا چاہتا ہے۔ میں نے غور سے بیرٹ کی طرف دیکھا، اس نے شاید میرے خیالات پڑھ لیے۔ اس کے بھدے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم نے کہا تھا سینڈر!" بیرٹ کے حلق سے پھٹی پھٹی سرگوشی نکلی۔ "تم نے کہا تھا نا کہ یہ ریوالور لو، اب اس کشتی کے نگہبان تم ہو لہٰذا میں نے اب تک بہت دشواری سے ان پیاسے درندوں کو پانی سے دور رکھا ہے۔" اس نے ریوالور فضا میں لہرایا۔ "جب دوسرے کی ذمے داری اپنے کندھے پر آتی ہے تب حقیقت کھلتی ہے۔ میں نے تم جیسا باہمت آدمی پوری زندگی میں نہیں دیکھا سینڈر! اٹھو، سب سے پہلے تمھی پانی پیو گے۔" بیرٹ نے ٹن میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔

اسی روز دوپہر کو ایک جنگی جہاز نے ہمیں دیکھ لیا۔

Zegham imran

Https://www.facebook.com/groups/372605677178945/